ازقلم: سعد الحصین

ترجمہ
مولانا محمد ادریس سلفی
مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد

پڑھ پڑھ کر سنایا جاتا ہوں

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مسلمانوں کو قرآن پاک زبانی حفظ کرانا ہی اصل خدمت و اطاعت ہے۔ حالانکہ اصل مقصود اس کو سیکھنا سکھانا ہے۔ جیسا کہ سابقہ اُمت کے علماء و صلحاء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے فرمان عالیہ ﴿خیر کم من تعلم القران وعلمه﴾ ''تم سے بہتر وہ ہے جو قرآن حکیم سیکھے اور اسے سکھائے۔'' سے سمجھا۔ صحابہ کرام وائمہ عظام، صلحاء امت نے ''حفظ القرآن'' سے متعلق فرمانِ الٰہی اور اقوال رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم سے کیا سمجھا؟ کس کی تعلیم دی؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان اقدس ذکر کیا ہے:

((خیر کم من تعلم القران وعلمه))

ایک روایت ہے:

((إن افضلكم من تعلم القرآن وعلمه))

بلاشبہ فرامین الٰہی کو سب سے زیادہ سمجھنے والے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے فرامین کو صحیح سمجھنے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس مقدس فرمان سے یہ مفہوم ہرگز نہ لیا کہ قرآن پاک بلا سوچے سمجھے تلاوت کرنا، پڑھنا، پڑھانا مراد رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم ہے۔ بلکہ جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تفسیر طبری میں منقول ہے کہ صحابہ کرام دس آیات بھی سمجھنے اور ان پر عمل کر لینے کے بعد ہی ان سے آگے بڑھتے۔

چنانچہ رسول گرامی قدر صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے تو صحیحین کی روایت کے مطابق سات دن اور دیگر

روایات کے مطابق تین دن سے قبل مکمل قرآن پاک پڑھنے سے منع فرمادیا تھا۔ کیونکہ اس قدر جلد بازی سے پڑھنے والا شخص قرآن کو سمجھنے سوچنے سے عاری رہ جاتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے رسول گرامی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے دل پر یکبارگی نہیں نازل فرمادیا بلکہ سوچ، سمجھ، غوروفکر اور عمل میں لانے کے لیے سہولت کے پیش نظر قسط در قسط نازل فرمایا تاکہ **لیدبروا آیاتہ ولیتذکر اولوالالباب** (ص:۲۹) ''کہ لوگ اس کی آیتوں پر غوروفکر کریں اور عقل منداس سے نصیحت حاصل کریں۔''

مشرکین نے قرآن پاک یکبارگی اتارے جانے کا تقاضا کیا تو ان کے اعتراض و مکر کو رد فرمادیا گیا۔

﴿**وقال الذین کفروا لولا نزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ کذلک لنثبت بہ فؤادک ورتلناہ ترتیلا**﴾ (الفرقان:۳۲)

''کافروں نے کہا کہ اس پر قران سارا کا سارا ایک ساتھ ہی کیوں نہ اتارا گیا۔ اسی طرح ہم نے (تھوڑا تھوڑا کرکے) اتارا تاکہ اس سے ہم آپ کا دل قوی رکھیں۔ ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر ہی پڑھ سنایا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے حکم قرآنی کے مطابق اسے آہستہ آہستہ پڑھنے کی عادت اپنائی ہر ہر آیت پر ٹھہرتے (ابوداوُد)

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق آپ ہمیشہ آہستہ آیات تلاوت فرماتے۔ جب کسی ایسی آیت مبارکہ سے گزرتے جس میں تسبیح کا حکم ہے، سبحان اللہ کہتے۔ کسی آیت میں مانگنے کا ذکر ہوتا' اللہ تعالیٰ کے سامنے دست نگر پھیلا لیتے۔ فرمانِ الٰہی میں کہیں پناہ طلب کرنے کا مفہوم ہوتا' وہیں پناہ کا تقاضا کرتے۔ تلاوت قرآن پاک میں رات دن آپ کی یہی عادت مبارکہ تھی۔ چنانچہ اُم القرآن کی تلاوت کرتے تو فوراً بعد لمبی آواز سے آمین (اے میرے خدا میری دعا قبول فرمالے) کہتے۔ (بخاری)۔ بلکہ اپ مقتدیوں کو بھی فرماتے جونہی امام ولاالضالین کہے آمین کہو۔ (بخاری ومسلم)

جب ہی آپ تلاوت فرماتے﴿**الیس ذالک بقادر علی ان یحی الموتی**﴾ (قیامہ۴۰)

''کیا (اللہ تعالیٰ) اس (امر) پر قادر نہیں کہ مردے کو زندہ کردے؟''

تو فرماتے سبحانك بلى ۔ میرے پاک الہ کیوں نہیں۔

یوں ہی پڑھتے ﴿سبح اسم ربک الاعلیٰ﴾ (الاعلیٰ:1)

''اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر۔''

فرماتے: ﴿سبحان ربی الاعلیٰ﴾

''میرا رب ہر عیب سے پاک و بلند و بالا ہے۔''

امام البانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب صفۃ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم میں فرماتے ہیں ''آپ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کا معمول فرض، نفل، نماز اور نماز کے بعد ہر موقع پر رہتا تھا۔''

چنانچہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت مغیرہ بن شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ وہ ان آیات کے جواب میں یہی کلمات فرض نمازوں میں بھی کہتے تھے۔

بخاری شریف مسند احمد شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم بسم اللہ دراز آواز سے کہتے۔ اسی طرح الرحمٰن بھی لمبی آواز سے کہتے اور پھر الرحیم الگ طویل لہجہ سے پڑھتے۔ اس طرح کہ ہر ہر حرف جدا جدا سنائی دیتا۔ ارشاد گرامی ہے:

((سیخرج فی آخر الزمان قوم أحداث الأسنان سفهاء الأحلام یقولون من قول خیر البریة یقرؤن القران لا یجاوز حناجرهم وفی روایة لا یجاوز تراقیهم وفی روایة لیس قراء تکم الی قرانهم بشیء ولاصلاتکم إلی صلاتهم بشیء ولا صیامکم إلی صیامهم بشیء یقرؤون القرآن یحسبون انه لهم وهو علیهم)) (مسلم)

آخرالزمان سے مراد محدثین خلافت علی منہاج النبوہ لیتے ہیں۔ چنانچہ ان صفات کے حاملین کا خلافت سعیدہ کے اواخر میں ظہور نا مسعود ہوا۔ لہٰذا آج عرب وعجم میں حفاظ کرام اور قراء حضرات کا بغیر معانی ومطالب سمجھے اور علم وعمل کی ترغیب وتشوین پیدا کیے رٹا احکام شرع اور جلیل القدر ائمہ کرام کے منہج کے موافق نہیں ہے۔

قرآن پاک حفظ کرنا، نفل جبکہ اس پر غور وفکر فرضِ عین کی حیثیت رکھتا ہے۔ صحابہ کرام کی سیرتوں کے مطالعہ سے یہی بات سامنے آتی ہے کہ وہ عمل کو مقدم رکھتے تھے۔ خواہ چند سورتوں میں سالہا سال گزر جائیں۔ قراء صحابہ کرام سے مراد حفاظ ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ان عظیم صحابہ کرام سے تھے، جن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن پاک سیکھنے کا حکم دے رکھا تھا۔ فرماتے ہیں:

"إنا صعب علينا حفظ القران وسهل علينا العمل به وإن من بعدنا يسهل عليهم حفظ القرآن ويصعب عليهم العمل به" (الجامع لأحکام القران ۱/۷۵)

''ہمارے لیے قرآن پاک پر عمل آسان رہا ہے اور اسے ازبر کر لینا دشوار۔ ہمارے بعد معاملہ الٹ ہو جائے گا۔ انہیں قرآن پاک حفظ کر لینا آسان مگر اس پر عمل کرنا دشوار ہوگا۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی منقول ہے کہ:

"كان الفاضل في اصحاب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم في صدر هذه الامة لا يحفظ من القرآن إلا السورة ونحوها ورزقوا العمل بالقرآن" (الجامع لأحکام القرآن ۱/۷۶)

جبکہ بلافہم رٹا لگانے سے جو کہ اب عام فقط حفظ کی سوچ پھیل گئی ہے' پہلے عرب وعجم میں یہ صورت حال نہ تھی۔ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتداء اپنے عراق کے گورنر کو حکم دیا کہ حفظ کرنے والوں کا وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔ پھر خبر پہنچی کہ ۷۰۰ نے حفظ مکمل کر لیا ہے۔ تو دوبارہ لکھا "إني اخشى ان يسرعوا إلى القرآن قبل ان يتفقهو في الدين" اور گورنر کو حکم دیا کہ ان کے لیے مقرر وظائف روک دے۔ خود بھی تو سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۃ بقرہ بارہ سال میں سیکھی۔ (الجامع لاحکام القران قرطبی ۱/۷۶)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ "وتنزل السورة فيتعلمون حلالها وحرامها وآمرها وزاجرها" (مشکل الاثار طحاوی ۶/ ۶۶)

حضرت حسن بصری کا بیان ہے: "نزل القرآن ليتدبر ويعمل به فاتخذوا تلاوته عملا"
''قرآن پاک سمجھنے کے لیے نازل ہوا' انہوں نے اس کی فقط تلاوت کو اختیار کر لیا۔'' (مفتاح دار السعادۃ ابن قیم ۱/۱۸۷)

امام ابن قیم فرمان باری "ومنهم اميون لا يعلمون الكتاب الا أماني" (بقرہ:۷۸) کی تفسیر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہاں کتاب اللہ میں تحریف کرنے والوں اور ان اُمیوں کی مذمت فرمائی ہے جو قرآن پاک کی صرف تلاوت پر اکتفا کرتے ہیں اور یہی تو مذموم امانی ہیں۔ (بدائع التفسیر ۱/۳۰۰)

امام شوکانی اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہیں کہ انہیں غور وفکر اور معانی سمجھنے کے بجائے صرف تلاوت کا طریقہ آتا ہے۔ (فتح القدیر:۱/۱۰۶)

امام ابن کثیر اس فرمان "الذین آتیناھم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ اولئک یؤمنون بہ" (بقرہ:۱۲۱)
''جنہیں ہم نے کتاب دی ہے اور وہ اسے پڑھنے کے حق کے ساتھ پڑھتے ہیں وہ اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔'' کی تفسیر میں رقمطراز ہیں

حق تلاوت کیا ہے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حق تلاوت یہ ہے کہ جنت کے ذکر کے وقت سوال جنت ہو اور جہنم کے ذکر کے وقت اس سے پناہ مانگی جائے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حلال حرام کو جاننا کلمات کو ان کی جگہ پر رکھنا، ہیر پھیر وغیرہ نہ کرنا یہی تلاوت کا حق ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کا مطلب حق اتباع بجالانا بھی مروی ہے۔ (ابن کثیر تفسیر سورۃ بقرہ:۱۲۱)

جلیل القدر صحابہ کرام سے اس آیت سے مراد سوچ، سمجھ، غور و فکر کے بغیر ہی تجوید و حفظ مراد لینا منقول نہیں ہے۔ امام ابن القیم بدائع التفسیر میں رقمطراز ہیں کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وقال الرسول یا رب إن قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا﴾ (الفرقان:۳۰)

یہاں ہجر کئی طرح ہو سکتا ہے۔ مثلاً قرآن پر غور و فکر، سمجھ اور اللہ تعالیٰ کے مقصود کلام سے تہی دامن رہنا۔

امام ابن کثیر فرماتے ہیں اس میں تدبر و تفکر اور سمجھ نہ پیدا کرنا ہی ''ہجران ہے۔''

فرمانِ باری تعالیٰ:

﴿فمن تبع ھدای فلا یضل ولا یشقی﴾ (طہٰ:۱۲۳) کی تفسیر میں امام ابن القیم فرماتے ہیں کہ:

متابعت جس کی ستائش و تعریف کی گئی ہے، اس سے مراد تلاوت قرآن پاک ہی ہے۔ لہٰذا الفاظ کی تلاوت، مطلق مفہوم تلاوت کا ایک حصہ و جز ہے کیونکہ الفاظ کی حقیقت تو صرف اطاعت و اتباع ہی ہوتی ہے اور تلاوت سے مقصد وہی حقیقی تلاوت ہے اور وہ ہے معانی سمجھنا اور اتباع بجالانا بلکہ معانی کی سمجھ فقط الفاظ کی تلاوت سے برتر ہے اور یہی لوگ در حقیقت وہ اہل قرآن ہیں جن کی دنیا و آخرت میں تعریف کی گئی ہے۔

(مفتاح دار السعادۃ ۱/۴۲)

امام صاحب مزید فرماتے ہیں:

معنی و مفہوم سمجھ کر آیت مبارکہ کو پڑھنا بلا معنی سمجھے پڑھنے سے کئی درجہ بہتر ہے۔ بلکہ قرآن پاک کی حلاوت و مٹھاس' ایمان و یقین کے حصول اور تاثیر قلبی کیلئے کئی گنا زیادہ نفع بخش ہے۔

ابو جُمرۃ کہتے ہیں میں نے فقیہ امت حضرت عبداللہ بن عباس سے عرض کیا میں بہت تیز قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہوں لہٰذا تین دن میں ختم کر لیتا ہوں۔ تو انہوں نے جواباً فرمایا ساری رات صرف ایک آیت مبارکہ ترتیل اور تدبر سے پڑھنا مجھے تیری طرح جلدی جلدی مکمل قرآن پاک پڑھنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ (حوالہ سابقہ ۱/ ۱۸۷)

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: قرآن پاک کا اصل مقصود اسے سمجھنا اور اس پر عمل پیرا ہونا ہے۔ لیکن اگر اس کے حفظ کا مطلوب و مقصود یہ بات نہیں ہے تو وہ صاحب علم نہیں ہے۔ (مجموع الفتاویٰ ۲۳/ ۵۵)

ان نصوص اور ائمہ حضرات کے اقوال سے یہ بات سامنے آئی کہ قرآن پاک کے معانی و مطالب کے سوائے صرف اور صرف حفظ کو مقصود بنا لینا شریعت اور سلف کے منہج سے کنارہ کشی ہے۔ قرآن پاک کی گہرائی و مطالب سے روگردانی نئی بات نہیں اور اس کے نتائج بھی بڑے ہلاکت خیز ہیں۔ وہ لوگ جن کے گلے سے قرآن آگے تجاوز نہ کر سکا' جنہوں نے دل و دماغ تک رسائی نہ ہونے دی۔ خلفاء کے لیے بھی یہ بے سمجھ لوگ سطحی استدلالات کی بناء پر مصائب کا سبب بنے رہے۔ حضرت عثمان غنی' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قاتلین اسی مرض کے مریض تھے بلکہ بعد ازاں بھی یہ لوگ خلفاء کیلئے دردِ سر بنے رہے۔ خود مرتے رہے اور کتنی ہی پاک ہستیوں کے خون ان کے سر ہیں۔ ماضی کی طرح ایسے کند ذہن اور کم فہم' سستی شہادت کے طلبگار قرآنی نصوص سے عدم تعلق کی بناء پر بکثرت پیدا ہو جاتے ہیں۔

• قرآن کریم کا حفظ ایک برکت' تاج' دلائل شرعیہ کا منبع' نہ خشک ہونے والا چشمہ دنیا و آخرت کی فلاح کا ضامن اسے خوبصورت آواز مخارج و تجوید سے مزین کرنا لہجہ عرب میں ادائیگی سنتِ نبوی و اصحابہ ہے لیکن صرف الفاظ کی حد تک رہ جانا منہج نبوی و صحابہ اور سلف صالحین سے انحراف و دوری ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆